© rasailojaraid.com

کبھی کبھی!

از

(سعید احمد اکبرآبادی)

ہو ہی نہ سکے جس کی محاکات کبھی بھی
ممکن نہیں اس غم کی مکافات کبھی بھی

کیا کوئی سمجھتا دلِ پُرشوق کی باتیں
ہم خود ہی نہ سمجھے وہ اشارات کبھی بھی

وہ گوشِ توجہ سے اگر سنتے بھی تو کیا
کھل کر نہ کہی شوق نے اک بات کبھی بھی

منظور تھی ہر لحظہ جنہیں دل کی رعایت
سنتے نہیں اب دل کی کوئی بات کبھی بھی

اے خندہ زنِ بے کسیٔ اہلِ وفا سن!
دیکھی نہیں آہوں کی کرامات کبھی بھی؟

ہر تارِ نفس بستۂ یک تارِ قفس ہے
آئی ہی نہیں مرگِ مفاجات کبھی بھی

بیگانہ وشی سی کوئی بیگانہ وشی ہے
گویا کہ نہ تھی ان سے ملاقات کبھی بھی

کشتِ دلِ محزوں میں بھی آجائیں بہاریں
ایسی بھی تو برسے کوئی برسات کبھی بھی

کیا قہر ہے اے یاس کہ اب دستِ تمنا
اٹھتے بھی نہیں بہرِ مناجات کبھی بھی!

وہ برہمیٔ ناز کہ سو لطف تصدق
ملتی ہے کہاں حسن کی سوغات کبھی بھی!

اُس مہرِ درخشاں کا زہے فیضِ تصور
کاشانہ میں میرے نہ ہوئی رات کبھی بھی!

© rasailojaraid.com